عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی!!

ادارہ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

ماہنامہ غزالی

جمادی الثانی ۱۴۲۴ھ / اگست ۲۰۰۳ء

زیر سر پرستی: مولانا پروفیسر ڈاکٹر میاں سعید اللہ جان دامت برکاتہم
بانی: ڈاکٹر فدا محمد مدظلہٗ (خلیفہ مولانا محمد اشرف خان سلیمانیؒ)
مدیر مسئول: ثاقب علی خان
مجلس مشاورت: مولانا محمد امین دوست، پروفیسر مسرت حسین شاہ،
بشیر احمد طارق، قاضی فضل واحد، مولانا طارق علی شاہ بخاری۔

جلد اول:

شمارہ: ۱۲

فہرست

فی شمارہ: ۱۵ روپے

سالانہ بدل اشتراک: ۱۴۰ روپے + ڈاک خرچ

خط و کتابت کا پتہ: مکان P-12 یونیورسٹی کیمپس پشاور۔

حضرت ڈاکٹر فدا محمد مدظلہٗ

یادِ رفتگاں

ایک دفعہ بندہ (ڈاکٹر فدا محمد مدظلہٗ) حضرت مولانا محمد اشرف رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں حاضر تھا کہ لالہ فضل الرحمٰن صاحب حضرت مولانا صاحب سے ملنے آگئے۔موصوف یونیورسٹی میں سپرانٹنڈنٹ تھے، پرانے زمانے میں خاکسار تحریک میں کام کیا ہوا تھا،صوبہ سرحد کے علاقوں اور اقوام کے بارے میں ان کی بہت زیادہ معلومات تھیں۔یونیورسٹی کے انتظامی امور اور افراد کے بارے میں ان کی اتنی معلومات تھیں کہ انھیں انسائیکلوپیڈیا کہا کرتے تھے۔انھوں نے قصہ سنایا کہ ایک دفعہ شاہ عبدالعزیز دعاجوؒ (حضرت مولانا اشرف صاحب کے شیخ ومربی) کی خدمت میں حاضر تھا اور چارسدہ کی بنی ہوئی کھدر کی موٹی چادر اوڑھے ہوئے تھا۔ شاہ صاحب نے چادر کی اتنی دفعہ تعریف فرمائی کہ میں نے مارے شرم کے وہ چادر شاہ صاحب کو دے دی۔لیکن اس کے بدلے میں شاہ صاحب نے ایک بڑا نفیس اور قیمتی کمبل عطا کیا۔تب پتہ چلا کہ شاہ صاحب کچھ لینا نہیں چاہتے تھے بلکہ عطا کرنا چاہتے تھے۔پھر لالہ صاحب نے بتایا کہ شاہ صاحب نے مجلس میں ایک تاریخی ملفوظ ارشاد فرمایا کہ ''پرویز (مشہور منکر حدیث) وہ اسلام چاہتا ہے جس میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوں۔''

واقعی اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن پاک کی تشریح وتوضیح کی ذمہ داری حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی ہے۔فرمایا گیا ہے **وَ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الذِّکۡرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیۡهِمۡ** ''تاکہ تو بیان کرے اس کو جو نازل ہوا ان کی طرف'' (سورہ نحل۔۴۴) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ بیان حدیث کی شکل میں ہمیں پہنچا ہے،اس لیے **اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ** O (ہم نے آپ اتاری ہے یہ نصیحت اور ہم آپ اس کے نگہبان ہیں) والی آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے قرآن پاک کی حفاظت کا اعلان کیا گیا ہے اس کا مقصد الفاظ ومعانی دونوں کی حفاظت ہے اور وہ تو تب ہی ہوسکتا ہے جبکہ اس کے بیان کردہ معانی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہیں وہ محفوظ ہوں۔جبکہ مسٹر پرویز احادیث کو بیچ میں سے ہٹا کر قرآن کی تشریح کا حق اپنے ہاتھ میں لینا چاہتا ہے۔گویا اس طرح وہ نعوذباللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہٹا کر ان کی جگہ خود متمکن ہونا چاہتا ہے۔

حضرت ڈاکٹر فدا محمد مدظلہ

اصلاحی مجلس (قسط نمبر ’۲‘)

اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اعلان کر دو کہ جو شخص بیت اللہ شریف میں داخل ہو جائے وہ امن میں ہے، جو ابو سفیان کے گھر میں پناہ لے لے وہ امن میں ہے، اور جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے وہ امن میں ہے۔ جب لشکر مکہ مکرمہ میں داخل ہو گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال ؓ کو حکم دیا کہ بیت اللہ شریف کی چھت پر چڑھیں اور اذان دیں، وہ چھت پر چڑھے اور اذان دی۔ تو جو لوگ لات مار کر کہا کرتے تھے کہ تیرا خدا کہاں ہے جو تیری مدد کرے، انھوں نے آج دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے مدد کی اور وہ حبشی غلام فاتح بن کر بیت اللہ شریف کی چھت پر اذان دے رہا تھا۔ یہاں تک کہ ایک کافر کہنے لگا کہ شکر ہے کہ میرا باپ مر گیا ہے اگر وہ زندہ ہوتا اور اس کالے کوے (نعوذ باللہ) کو بیت اللہ کی چھت پر چڑھے ہوئے دیکھتا تو اسے بڑی تکلیف ہوتی۔

فتح خیبر کے بعد ہی مسلمانوں پر سے فاقہ اور تنگدستی ختم ہو گئے تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں فاقہ اس لیے ہوتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کا آیا ہوا مال شام تک اپنے پاس نہ چھوڑتے تھے بلکہ صدقہ وخیرات میں صرف کر دیتے اور اگر شام تک گھر میں کچھ رہ جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر نہ جاتے بلکہ مسجد میں رات بسر کرتے تھے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اختیاری حال تھا ورنہ فاقہ پھر نہ رہا تھا۔

حضرت عمر فاروق ؓ کا دور آیا تو اتنی خوشحالی اور مال آیا کہ لوگوں نے پھر گن کر پیسے تقسیم نہیں کیے بلکہ لپیں بھر کر اور کٹورے بھر کر دیتے تھے۔ پہلے زمانے میں اوڈی ایک پیمانہ ہوتا تھا وہ بھر کر دیتے تھے، اور گنتا کوئی نہ تھا۔ جس وقت ایران فتح ہوا اور مال غنیمت میں ہیرے جوہرات اور سونا چاندی لا کر مسجد نبوی کے صحن میں ڈالا گیا تو اتنا بڑا انبار تھا کہ ایک طرف کھڑا ہوا آدمی دوسری طرف نظر نہ آتا تھا۔ اس میں ایرانی دربار کا وہ سونے کا گھوڑا بھی تھا جس پر چاندی کی زین کسی ہوئی تھی، اور ایک اونٹنی تھی جس پر سونے کا پالان پڑا ہوا تھا۔ اور بادشاہ کی ہیرے جواہرات کی وہ صندوقچی تھی کہ اگر حکومت ختم ہو جائے اور بھاگنا پڑے تو اس صندوقچی کو اٹھا کر لے جائیں اور باقی زندگی عیش سے گزار سکیں۔ حضرت عمر فاروق ؓ نے جب وہ صندوقچی دیکھی تو فرمایا کہ جس قوم کے لوگ اتنے دیانتدار ہوں کہ اس صندوقچی کو بھی لا کر مال غنیمت میں ڈال دیا ہو تو ان پر کون غالب آ سکتا

ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ فتوحات دیں۔

حضرت عثمانؓ کی ساٹھ لاکھ مربع میل کی خلافت تھی اور اس وقت یہ اعلان کیا گیا کہ لوگو! زکوٰۃ بھی نماز کی طرح ایک عبادت ہے اس لیے خود زکوٰۃ نکالو اور خود ہی تقسیم کرو، زکوٰۃ کا مال رکھنے کے لیے بیت المال میں جگہ نہیں ہے۔ اور اتنا مال آیا کہ صبح کے وقت آدمی اعلان کر رہا ہوتا تھا کہ اے لوگو! بیت المال کی گندم خراب ہو رہی ہے اس کو جلدی سے لے جاؤ، اور شام کے وقت دوسرا آدمی اعلان کر رہا ہوتا تھا کہ بیت المال میں پڑا ہوا شہد خراب ہو رہا ہے اس کو جلدی نکالو اور لے جاؤ۔ اتنی فراخی اور آسودگی آئی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایسی برکت دی کہ وہ لوگ جو غریب اور غلام تھے اور پیسوں پر بک کر آئے تھے وہ اپنے اپنے علاقوں میں حاکم اور گورنر بن کر واپس ہوئے۔ حضرت سلمان فارسیؓ ایک صحابی ہیں جو کہ فارس سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے سلمان فارسیؓ نے اپنے اسلام لانے کا واقعہ خود اپنی زبان سے اس طرح بیان کیا کہ میں ملک فارس میں قریہ جیٔ کا رہنے والا تھا۔ میرا باپ شہر کا چوھدری تھا اور سب سے زیادہ مجھ کو محبوب رکھتا تھا۔ جس طرح کنواری لڑکیوں کی حفاظت کرتے ہیں اسی طرح میری حفاظت کرتا تھا اور مجھ کو گھر سے باہر نہیں جانے دیتا تھا۔ ہم مذہباً مجوسی تھے، میرے باپ نے مجھ کو آتش کدہ کا محافظ اور نگہبان بنا رکھا تھا کہ کسی وقت آگ بجھنے نہ پائے۔ ایک مرتبہ میرا باپ تعمیر کے کام میں مشغول تھا اس لیے مجبوراً مجھ کو کسی زمین اور کھیت کی خبر گیری کے لیے بھیجا اور تاکید کی کہ دیر نہ کرنا۔ میں گھر سے نکلا راستہ میں ایک گرجا پڑتا تھا، اندر سے کچھ آواز سنائی دی میں دیکھنے کے لیے اندر گھسا، دیکھا تو نصاریٰ کی ایک جماعت ہے کہ جو نماز میں مشغول ہے۔ مجھ کو ان کی یہ عبادت پسند آئی اور اپنے دل میں کہا کہ یہ دین ہمارے دین سے بہتر ہے (اس وقت عیسائیت حق دین تھا)۔ میں نے ان لوگوں سے دریافت کیا کہ اس دین کی اصل کہاں ہے، ان لوگوں نے کہا کہ ملک شام میں، اسی میں آفتاب غروب ہو گیا۔ باپ نے انتظار کر کے تلاش میں قاصد دوڑائے۔ جب گھر واپس آیا تو باپ نے دریافت کیا اے بیٹے تو کہاں تھا۔ میں نے تمام واقعہ بیان کیا باپ نے کہا کہ اس دین (یعنی نصرانیت) میں کوئی خیر نہیں تیرے ہی باپ دادا کا دین (یعنی آتش پرستی) بہتر ہے۔

میں نے کہا ہرگز نہیں خدا کی قسم نصرانیوں ہی کا دین ہمارے دین سے بہتر ہے۔ باپ نے میرے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دیں اور گھر سے باہر نکلنا بند کر دیا۔ میں نے پوشیدہ طور سے نصاریٰ سے کہلا بھیجا کہ جب کوئی قافلہ شام کو جائے تو مجھ کو اطلاع کرنا۔ چنانچہ انھوں نے ایک موقع پر مجھ کو اطلاع دی کہ نصاریٰ کے تاجروں کا ایک قافلہ شام واپس جانے والا ہے۔ میں نے موقع پا کر بیڑیاں اپنے پیروں سے نکال پھینکیں اور گھر سے نکل کر ان کے ساتھ ہولیا۔

شام پہنچ کر دریافت کیا کہ عیسائیوں کا سب سے بڑا عالم کون ہے؟ لوگوں نے ایک پادری کا نام بتایا، میں اس کے پاس پہنچا اور اپنا تمام واقعہ بیان کیا اور کہا کہ میں آپ کی خدمت میں رہ کر آپ کا دین سیکھنا چاہتا ہوں اس نے کہا بہتر ہے۔ لیکن چند روز کے بعد تجربہ ہوا کہ وہ اچھا آدمی نہ تھا بڑا ہی حریص اور طامع (لالچی) تھا دوسروں کو صدقات اور خیرات کا حکم دیتا اور جب لوگ روپیہ لے کر آتے تو جمع کر کے رکھ لیتا اور فقراء اور مساکین کو نہ دیتا۔ اسی طرح اس نے اشرفیوں کے سات مٹکے جمع کر لیے۔ جب وہ مر گیا اور لوگ حسن عقیدت کے ساتھ اس کی تجہیز و تکفین کے لیے جمع ہوئے تو میں نے لوگوں سے اس کا حال بیان کیا اور وہ سات مٹکے دکھائے۔ لوگوں نے یہ دیکھ کر کہا کہ خدا کی قسم ہم ایسے شخص کو ہرگز دفن نہ کریں گے۔ بالآخر اس پادری کو سولی پر لٹکا کر سنگسار کر دیا۔

اس کی جگہ کسی اور عالم کو بٹھلایا، سلمانؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اس سے زائد کسی کو عالم اور اس سے بڑھ کر کسی کو عابد و زاہد، دنیا سے بے تعلق اور آخرت کا شائق اور طلبگار، نمازی اور عبادت گزار نہیں دیکھا۔ جس قدر مجھ کو اس عالم سے محبت ہوئی اس سے بیشتر کبھی کسی سے اس قدر محبت نہیں ہوئی۔ میں برابر اس عالم کی خدمت میں رہا، جب ان کا اخیر وقت آ گیا تو میں نے عرض کیا کہ آپ مجھ کو وصیت کیجئے اور بتلایئے کہ آپ کے بعد کس کی خدمت میں جا کر رہوں۔ کہا موصل میں ایک عالم ہے تم اس کے پاس چلے جانا۔ چنانچہ میں ان کے پاس گیا اور ان کے بعد ان کی وصیت کے مطابق نصیبین میں ایک عالم کے پاس جا کر رہا اور ان کی وفات کے بعد ان کی وصیت کے مطابق شہر عموریہ میں ایک عالم کے پاس رہا۔ جب ان کا بھی انتقال ہونے لگا تو میں نے کہا کہ میں فلاں فلاں عالم کے پاس رہا اب آپ بتلائیں کہ میں کہاں جاؤں۔ اس عالم نے کہا کہ میری نظر

میں اس وقت کوئی ایسا عالم نہیں ہے جو صحیح راستہ پر ہو اور میں تم کو اس کا پتہ بتاؤں، البتہ ایک نبی کے ظہور کا زمانہ قریب آ گیا ہے کہ جو دین ابراہیمی پر ہوگا، عرب کی سرزمین پر اس کا ظہور ہوگا، ایک نخلستانی زمین کی طرف ہجرت کرے گا اگر تم سے وہاں پہنچنا ممکن ہو تو ضرور پہنچنا۔ ان کی علامت یہ ہوگی کہ وہ صدقہ کا مال نہ کھائیں گے اور ہدیہ قبول کریں گے اور دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت ہوگی، جب تم ان کو دیکھو گے تو پہچان لو گے۔ وہاں میں نے کچھ کمائی کا دھندہ بھی کرلیا، اور میرے پاس کچھ گائیں اور بکریاں بھی جمع ہوگئی تھیں۔ اتفاق سے ایک عرب کا جانے والا قافلہ مجھ کو مل گیا میں نے ان سے کہا کہ تم لوگ مجھ کو ساتھ لے چلو تو یہ گائیں اور بکریاں سب کی سب تم کو دے دوں گا۔ ان لوگوں نے اس کو قبول کیا اور مجھ کو ساتھ لے لیا، جب وادی قریٰ میں پہنچے تو میرے ساتھ یہ بدسلوکی کی کہ غلام بنا کر ایک یہودی کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ جب اس کے ساتھ آیا تو کھجور کے درخت دیکھ کر یہ خیال ہوا کہ شاید یہی وہ سرزمین ہو۔ لیکن ابھی پورا اطمینان نہیں ہوا تھا کہ بنی قریظہ کا ایک یہودی اس کے پاس آیا اور مجھ کو خرید کر مدینہ منورہ لے آیا۔ جب میں مدینہ پہنچا تو خدا کی قسم مدینہ کو دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہ وہی شہر ہے کہ جو مجھ کو بتلایا گیا ہے۔

خاك طيبه از دو عالم خوشتر است　　　　خرم آنجائے كه آنجا دلبر است

ترجمہ: مدینہ منورہ کی خاک دونوں جہانوں سے بہتر ہے۔ کیا ہی خوب جگہ ہے جہاں پر ہمارا محبوب ہے۔

صحیح بخاری میں خود حضرت سلمانؓ سے مروی ہے کہ میں اس طرح دس مرتبہ سے زیادہ فروخت ہوا ہوں۔ (لوگوں نے سلمانؓ کو بار بار بے رغبتی کے ساتھ دراہم معدودہ میں خریدا لیکن ان کی اصلی قیمت کو کسی نے نہ پہچانا)۔ میں مدینہ میں اس یہودی کے پاس رہا اور بنی قریظہ میں اس کے درختوں کا کام کرتا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں مبعوث فرمایا مگر مجھ کو غلامی اور خدمت کی وجہ سے مطلق علم نہ ہوا۔ جب آپ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے اور قبا میں بنی عمرو بن عوف کے یہاں آپ نے قیام فرمایا۔ میں اس وقت کھجور کے ایک درخت پر چڑھا ہوا کام کر رہا تھا اور میرا آقا درخت کے نیچے بیٹھا تھا کہ ایک یہودی آیا جو میرے آقا کا چچازاد بھائی تھا اور یہ کہنے لگا خدا بنی قیلہ (یعنی انصار) کو ہلاک کرے کہ قبا میں ایک شخص کے اردگرد جمع ہیں جو مکہ سے آیا ہے اور یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص نبی اور پیغمبر ہے۔ سلمانؓ فرماتے ہیں خدا کی قسم یہ سننا

تھا کہ مجھ کولرزا اور کپکپی نے پکڑا اور مجھ کو یہ غالب گمان ہوگیا کہ میں اپنے آقا پر اب گرا۔ وہ دونوں یہودی ان کی اس حالت کو دیکھ کر سخت متعجب تھے اور سلمانؓ کی زبان حال یہ شعر پڑھ رہی تھی،

خَلِیْلَیَّ لَا وَ اللّٰہِ مَااَنَا مِنْکُمَا اِذَا عَلَمٌ مِنْ اٰلِ لَیْلٰی بَدَالِیَا

(اے میرے دوستو خدا کی قسم اب میں تم میں سے نہیں رہا جبکہ مجھ کو دیار لیلی کا کوئی پہاڑ نظر آگیا)

مدتے بود کہ مشتاق لقایت بودم لاجرم روئے ترا دیدم واز جار فتم

ترجمہ: ایک عرصہ ہوا کہ آپ کی ملاقات کا مشتاق تھا، جب آپ کے چہرہ مبارک کو دیکھا تو ہوش وحواس کھو گیا۔

جب سے تمھیں دیکھا ہے جب سے تمھیں پایا ہے کچھ ہوش نہیں مجھ کو اک نشہ سا چھایا ہے

بہر حال دل کو تھام کر درخت سے اترا اور اس آنے والے یہودی سے پوچھنے لگا کہ بتا تو سہی تم کیا بیان کرتے تھے، وہ خبر ذرا مجھ کو بھی سناؤ۔ یہ دیکھ کر میرے آقا کو غصہ آگیا اور زور سے ایک طمانچہ میرے رسید کیا اور کہا تجھ کو اس سے کیا مطلب تو اپنا کام کر۔

جب شام ہوئی اور کام سے فراغت ہوئی تو جو کچھ میرے پاس جمع تھا وہ ساتھ لیا اور آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ اس وقت قبا میں تشریف فرما تھے۔ میں نے عرض کیا کہ مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ آپ کے اور آپ کے رفقاء کے پاس کچھ نہیں ہے آپ سب حضرات صاحبِ حاجت ہیں اس لیے میں آپ کے لیے اور آپ کے رفقاء کے لیے صدقہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے لیے صدقہ قبول کرنے سے انکار کر دیا اور یہ فرمایا کہ میں صدقہ نہیں کھاتا اور صحابہ کو اجازت دی کہ تم لے لو۔

سلمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے اپنے دل میں کہا خدا کی قسم یہ ان تین علامتوں میں سے ایک ہے، میں واپس ہوگیا اور پھر کچھ جمع کرنا شروع کر دیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو میں پھر حاضر خدمت ہوا اور عرض کیا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ آپ کی خدمت میں کچھ پیش کروں۔ صدقہ آپ قبول نہیں فرماتے یہ ھدیہ لے کر حاضر ہوا ہوں۔ آپ نے قبول فرمایا اور خود بھی اس میں سے کھایا اور صحابہؓ کو بھی کھلایا۔ میں نے اپنے دل میں کہا یہ دوسری علامت ہے۔

میں واپس آگیا اور دو چار روز کے بعد پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ اس وقت ایک جنازہ

کے ہمراہ بقیع میں تشریف لائے تھے اور صحابہ کرام کی ایک جماعت آپ کے ہمراہ تھی ۔آپ درمیان میں تشریف فرما تھے۔ میں نے سلام کیا اور سامنے سے اٹھ کر پیچھے آ بیٹھا تاکہ مہر نبوت دیکھوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ گئے اور پشت مبارک سے چادر اٹھا دی، میں نے دیکھتے ہی پہچان لیا اور اٹھ کر مہر نبوت کو بوسہ دیا اور رو پڑا۔ آپ نے فرمایا سامنے آؤ، میں سامنے آیا اور جس طرح تجھ سے اے ابن عباس میں نے اپنا یہ واقعہ بیان کیا اسی طرح میں نے تمام واقعہ تفصیل کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کے صحابہ کی مجلس میں بیان کیا اور اسی وقت مشرف با سلام ہوا۔ آپ بہت مسرور ہوئے۔ اس کے بعد اپنے آقا کی خدمت میں مشغول ہو گیا اسی وجہ سے میں غزوہ بدر اور احد میں شریک نہ ہو سکا۔ آپ نے فرمایا اے سلمان اپنے آقا سے کتابت کر لو(کتابت اس کو کہتے ہیں کہ غلام اپنے آقا سے یہ مقرر کر لے کہ اگر اس قدر معاوضہ کما کر تم کو دے دوں تو آزاد ہو جاؤں گا)۔ سلیمان نے اپنے آقا سے کہا۔ آقا نے یہ جواب دیا کہ اگر تم چالیس اوقیہ سونا ادا کر دو اور تین سو کھجور کے درخت لگا دو، جب وہ بار آور ہو جائیں تو تم آزاد ہو۔ سلیمان نے آپؐ کے ارشاد سے قبول کیا۔ آپؐ نے لوگوں کو ترغیب دی کہ کھجور کے پودوں سے سلیمان کی امداد کریں۔ چنانچہ کسی نے تیس پودوں سے کسی نے بیس سے اور کسی نے دس سے امداد کی۔ جب پودے جمع ہو گئے تو مجھ سے فرمایا اے سلیمان ان کے لیے گڑھے تیار کرو۔ جب گڑھے تیار ہو گئے تو خود دست مبارک سے ان تمام پودوں کو لگایا اور برکت کی دعا فرمائی ایک سال گزرنے نہ پایا تھا کہ سب کو پھل آ گیا۔ مگر ایک درخت نہ پھلا۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ وہ درخت حضرت عمرؓ کے ہاتھ کا لگایا ہوا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نکالا اور پھر دوبارہ اپنے دست مبارک سے لگایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ظاہر ہوا کہ بے موسم درخت لگایا اور اس میں بھی اسی سال پھل آ گیا۔

بگیر ایں ہمہ سرمایۂ بہار از من
کہ گل بدست تو از شاخ تازہ تر ماند (ضرب کلیم)

ترجمہ: مجھ سے یہ سارا بہار کا سرمایہ لے لیجئے کیونکہ پھول آپ کے دست مبارک میں آنے کے بعد شاخ پر ہونے سے بھی زیادہ تر و تازہ رہتا ہے۔

درختوں کا قرض تو ادا ہو گیا صرف دراہم باقی رہ گئے۔ ایک روز ایک شخص آپ کے پاس ایک بیضہ

کی مقدار سونا لے کر آیا۔آپؐ نے فرمایا وہ مسکین مکاتب (یعنی سلمان فارسی) کہاں ہے اس کو بلاؤ۔میں حاضر ہوا تو آپؐ نے وہ بیضہ کی مقدار سونا عطا فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ اس کو لے جاؤ اللہ تعالیٰ تمہارا قرضہ ادا فرمائے گا۔میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ سونا بہت تھوڑا ہے،اس سے میرا قرض کہاں ادا ہوگا۔آپ نے فرمایا جاؤ اسی سے اللہ تمہارا قرضہ ادا کر دے گا۔چنانچہ میں نے اس کو تولا تو پورا چالیس اوقیہ تھا۔میرا کل قرض ادا ہوگیا اور غلامی سے آزاد ہوا اور آپ کے ساتھ غزوہ خندق میں شریک ہوا۔اس کے بعد تمام غزوات میں آپؐ کے ہمرکاب رہا۔(بحوالہ سیرت مصطفیٰ)

غزوہ خندق میں انہی کے مشورہ سے خندق کھدوائی گئی ورنہ عرب میں اس سے پہلے خندق کا دستور نہ تھا نہ لوگ خندق کو جانتے تھے۔

اور پھر عجیب بات ہے مختلف روایتوں کے مطابق ان کی عمر ۲۵۰ سال اور ایک میں ۳۵۰ سال ہوئی ہے۔۲۵۰ سال عمر تو متفق علیہ ہے۔اور پھر اتنے مشہور صحابی ہوئے ہیں کہ فارس کے علاقے جب فتح ہوئے (جس میں موجودہ عراق ایران،کویت وغیرہ کے علاقے تھے) تو انکا گورنر بنا کر بھیجا گیا۔

تو سب سے زیادہ فوائد اللہ تعالیٰ نے ایمان و اعمال میں رکھے ہیں۔اور اس کو صحیح طریقے سے حاصل کر لیا جائے،برت لیا جائے تو اس کے نتیجے میں میرے بھائی پچاس کنال،سو کنال،اور ایک کاروبار ،دوسرا کاروبار،ایک دوکان اور دوسری دوکان،سعودی عرب کا ویزا اور انگلینڈ اور امریکہ کا ویزا،وغیرہ چیزیں تو بڑی معمولی ہیں،ان کی کوئی وقعت نہیں۔

حیف کہ کھویا گیا تجھ سے فقیری کا راز ورنہ ہے مالِ فقیر سلطنتِ روم و شام

تو روم و شام کی سلطنتوں کو اللہ تعالیٰ قدموں میں ڈالتا ہے۔تو اسکا معاوضہ کنالوں میں نہیں ہوتا،سونے چاندی میں نہیں ہوتا،ہیرے جواہرات میں نہیں ہوتا،بلکہ اسکا معاوضہ ملکوں کی گورنریوں کی صورت میں قدموں میں ڈالا جاتا ہے۔میں پشاور یونیورسٹی میں رہتا ہوں،وہاں طلباء سے کہو۔کہ صبح کی نماز کے لیے اٹھو۔تو وہ کہتے ہیں کہ یار یہ صبح کی نماز کے لیے اٹھنا بڑا مشکل ہے۔ایک دن رات کو ڈھائی بجے طلباء کے ہاسٹلوں میں ہنگامہ ہو رہا تھا۔میں اٹھا کہ یا اللہ کیا ہوگیا اللہ خیر کرے۔میں وہاں گیا تو وہاں دیکھا کہ لوگ جاگ رہے ہیں۔معلوم

کرنے پر انھوں نے کہا کہ دنیا کی مشہور اولمپک گیمز ہو رہی ہیں۔ اصل میں وہاں اس وقت دن ہے اور یہاں رات ہے۔ ہم لوگ اسکے تماشے کے لیے جاگے ہوئے ہیں۔ تو میں نے کہا ماشاءاللہ کہ کھیل کے تماشے کیلیے تو سحری اور تہجد کے وقت جاگے ہوئے ہیں کیونکہ دل میں اسکی اہمیت ہے۔ آج اگر یہ کہہ دیا جائے کہ کل جو آدمی چار بجے پہنچے گا تو اسکو چار چار ہزار روپے دیئے جائینگے تو سارے ساڑھے تین بجے اٹھے ہوئے ہونگے بلکہ تین بجے اٹھے ہوئے ہونگے۔ تو جو اہمیت چار ہزار روپے کی ہے اتنی ہی اہمیت نماز کی ہوتی تو سارے لوگ اٹھے ہوئے ہوتے اور جاگ رہے ہوتے۔ لیکن ہم نے اسکو حاصل نہیں کیا ہے۔ وہ آدمی جس کی صبح کی نماز قضا ہوتی ہے تو وہ روحانی لحاظ سے اس حال میں ہے کہ اس کے لیے اپنی اتنی اصلاح کرانا کہ فرائض پر عمل کے قابل ہو جائے فرض ہے۔ اس کا کام پر جانا، نوکری، کھیت پر جانا اور اپنی اصلاح کی فکر نہ کرنا کس قدر ظلم ہے۔ لیکن دلوں مین اسکی اتنی اہمیت نہیں ہے جتنی دنیا کی اہمیت ہے۔ ایک مختصر سی کہانی ہے کہ ترکیہ میں ایک بزرگ تھے جو مجذوب تھے۔ ایک جمعہ کے دن بازار میں چلے گئے اور ایک جگہ کھڑے ہو کر آواز لگانے لگے **یَا اَیُّھا النّاس اِلٰھُکُمْ تَحْتَ قَدَمِی** (اے لوگو! تمھارا خدا میرے قدموں کے نیچے ہے۔ اے لوگو! تمھارا خدا میرے پیروں کے نیچے ہے۔) تو لوگوں نے کہا کہ یہ کون فاسق فاجر شخص ہے، کسی نے کہا کہ یہ کیا بیوقوف ہے، کسی نے تھپڑ مارا کسی نے لاتیں ماریں۔ ان کو اتنا مارا کہ ہوش و ہواس ختم ہو کر گر گئے یہاں تک کہ آپکی شہادت ہوگئی۔ جب گر کر مر رہے تھے تو انھوں نے کہا کہ میری بات کو تم نہیں سمجھتے ہو، شین کو سین سمجھے گا۔ ان بزرگ کا نام حرف شین سے شروع ہوتا تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد ترکیہ پر سین سے شروع ہونے والے نام کا کوئی بادشاہ ہوا۔ ایک دن ایک کتاب پڑھ رہا تھا تو ساتھ کہہ رہا تھا کہ توبہ یہ کتاب کسی زبردست بزرگ آدمی نے لکھی ہے۔ بادشاہ نے دربار میں پوچھا کہ یہ کس نے لکھی ہے؟ تو لوگوں نے کہا کہ چھوڑو جی ایک پاگل فاسق فاجر آدمی تھا۔ لوگوں نے چوک میں مارا تھا اور سارا واقعہ سنایا۔ بادشاہ نے کہا کہ جس چوک میں مارا تھا وہ معلوم کرو اور ساتھ ہی اعلان کروایا کہ جو جو اس جمعہ کو نماز کے لیے ہماری مسجد آئیگا اس کو دس دس اشرفی ہم انعام میں دینگے۔ اب جمعہ کے دن لوگوں کا مسجد میں ہجوم اکٹھا ہو گیا اور اتنی مخلوق آ گئی کہ کیا پوچھنا۔ اب جب پہلی اذان کا وقت آیا (پہلی اذان کے وقت آدمی مسجد میں نہ ہو تو نماز ناقص ہو جاتی ہے) تو کچھ لوگ مسجد میں جو متقی تھے انھوں نے کہا کہ نہ خطیب آیا اور نہ

بادشاہ سلامت آیا۔اب اذان کا وقت ہوگیا اور ہماری نماز خراب ہوتی ہے لہذا وہ دوسری مسجد میں چلے گئے۔ اور جب نماز ہونے کا وقت آیا تو کچھ اور لوگ دوسری مسجد میں چلے گئے۔لیکن یار لوگ جو اشرفیوں کی لالچ میں آئے تھے وہ بیٹھے رہے۔نہ قاضی آیا نہ بادشاہ۔جمعہ کی نماز ہی مسجد میں نہیں ہوئی اب بادشاہ اور قاضی صاحب کسی دوسری جگہ نماز پڑھکر آئے۔بادشاہ نے کہا کہ سب کو گھیرا ڈالو اور گرفتار کرو۔گھیرا ڈالا گیا اور گرفتار کیا گیا اور کہا کہ ان سب کو اس چوک پر لے کر آجاؤ جہاں ان بزرگ کو قتل کیا گیا تھا،اور انھوں نے اعلان کیا تھا کہ اے لوگو! تمھارا خدا میرے قدموں کے نیچے ہے۔بادشاہ نے کہا کہ اس جگہ کی کھدائی کرو۔کھدائی کی گئی تو اشرفیوں کا خزانہ نکلا۔اب بادشاہ نے کہا کو ہر آدمی کو دس دس اشرفی دینا اور ساتھ ہی یہ بھی کہنا یہ لے یہ تیرا خدا ہے یہ لے یہ تیرا خدا ہے۔بادشاہ نے کہا کہ ان بزرگ جب نے یہ اعلان کیا تھا اصل میں جمعہ کی نماز کا وقت ہوگیا تھا اذان ہوگئی تھی اور دکانیں کھلی ہوئی تھیں۔اب جمعہ کا دن ہو اور اذان ہوجائے اور پھر بھی دکانیں کھلی رہ جائیں ۔تو اب یہ دکان دکان نہیں ہے یہ خدا ہوگیا۔اس آدمی نے مال کو خدا کہہ دیا ہے جس کے لیے جمعہ کے دن اذان کے بعد بھی دکان نہیں بند کررہا۔تو انھوں نے کہا کہ ان لوگوں کا خدا تو پیسہ تھا اور یہ جو بزرگ تھے انھوں نے اعلان کیا تھا کہ اے لوگو! تمھارا خدا میرے پیروں کے نیچے ہے یعنی یہاں اشرفیوں کا خزانہ پڑا ہوا ہے اسکو کھودو تم لوگوں کو مل جائیگا اور تمھارا کام ہوجائیگا۔تو انھوں نے یہ نہیں کہا کہ (نعوذ باللہ) اللہ تبارک وتعالیٰ میرے قدموں کے نیچے ہے بلکہ تمھارا خدا مال ہے اس وقت وہ میرے قدموں کے نیچے ہے۔اس میں ایک رمز تھی جس کو یہ بادشاہ سمجھا۔تو معاف کریں ہم نماز کے لیے بھی آتے ہیں حج بھی ہم نے کیا ہوگا لیکن ہمارے اندر کا حال ایسا ہے۔ایک مولوی صاحب مسجد میں کھڑے تقریر کررہے تھے کہ آج اتنا برکت والا دن ہے کہ جو شخص حلوہ پکائے گا اس کو اتنا ثواب ہوگا،جو شخص پلاؤ پکائے گا اسکو اتنا ثواب ہوگا۔گھر پر جب واپس آئے تو گھر والی نے بھی حلوہ پکایا ہوا تھا تو مولوی صاحب نے کہا کہ یہ تو نے کیوں پکایا؟ کیا خاص بات تھی؟ تو بیوی نے کہا کہ تو جو مسجد میں اس کے بارے میں اِتنی تقریر کررہا تھا۔تو مولوی صاحب نے جواب دیا اُوہو! وہ تو دوسرے لوگوں کے لیے تھی تیرے لیے تو نہیں تھی۔تقریر بھی ہم کرلیتے ہیں لیکن یہ چیز ہمیں حاصل بھی ہو یہ ہم سے نہیں ہوتا۔ اور مسئلہ تب بنتا ہے جب تیرے اور میرے دل میں یہ بات آئے اور تیرے اور میرے عمل میں یہ بات آئے۔

اس وقت جو مسلمان تکلیف میں ہے تو پچاس فیصد مسلمان اُس ضروری دین پر نہیں ہیں جو فرض اور واجب ہے، باقی تو دور کی بات ہے۔ تو اب اللہ تعالیٰ کی مدد کیسے آئے؟ جیسے آدمی ایک بڑا کارخانہ لگاتا ہے اور کہتا ہے کہ میرا بیٹا اس کو سنبھالے گا۔ بیٹا پہلے سال جو کام کرتا ہے تو نقصان کر دیتا ہے، باپ کہتا ہے چلو اسکے ساتھ سمجھدار آدمی لگاتے ہیں، اُس کے ساتھ صحیح کام کریگا۔ اب دوسرے سال جو کام کیا تو مینجر نے کہا کہ اس نے تو میری شامت کر دی جو کماتا ہوں خرچ کر دیتا ہے اور فضولیات پر ضائع کر دیتا ہے۔ تو باپ نے کہا کہ اسکو کارخانے سے علیحدہ کرو اب کارخانہ ٹھیک چلے گا۔ تو اب بیٹا کسی کے پاس گیا اور کہا کہ والد صاحب دس ہزار مانگتے ہیں دوسری جگہ گیا اور کہا کہ بیس ہزار مانگتے ہیں ہر جگہ والد صاحب کی شلوار اتاری۔ چلو باپ نے ان کے پیسے ادا کر دیے اور بیٹے کو سمجھایا کہ سنبھل جائے گا۔ اگلے دن اطلاع آئی کہ آج فلاں کی بیٹی پہ ہاتھ ڈال دیا فلاں جگہ یہ وارادت کر دی، تو پھر باپ یہ کہتا ہے کہ کوئی شخص جا کر اسکی کھوپڑی میں سوراخ کر دے اور اس کا جنازہ کوئی لے آئے تو میں بڑا خوش ہوں گا۔ ہماری یونیورسٹی میں ایسا ہی ایک واقعہ ہوا کہ مجھے کسی نے کہا کہ ہمارے فلاں بابو صاحب کا بیٹا مر گیا ہے۔ یونیورسٹی میں مجھ سے جنازہ اور دعا نہیں چھوٹتے لیکن یہاں کافی دن گزرنے کے بعد میں دعا کے لیے گیا۔ میں نے اس کے بیٹے کی وفات پر افسوس کیا تو اس نے جواباً کہا کہ یار دفعہ کرو۔ خیر میں نے سوچا کہ کوئی ایسی بات ہے جو کہ نہیں پوچھنی چاہیے پتہ نہیں بیٹے نے باپ کو کیا زخم لگایا ہوا ہے۔ کسی دوسرے آدمی سے میں نے پوچھا تو اس نے بتایا کہ وہ تو ڈاکوؤں کے گینگ میں تھا اور چاروں طرف جو واردات ہو رہی تھیں ان سب میں وہ ملوث تھا۔ اور باپ سخت تنگ آیا ہوا تھا اور وہ انہی واردتوں میں قتل ہوا۔ تو معاف کریں کہ آج مسلمان اس حال کو پہنچا ہوا ہے، آہ! کہ جس پر باپ بھی کہتا ہے کہ میں اس بیٹے کی لاش دیکھنا چاہتا ہوں۔ اور لاش جب آتی ہے تو اس کو غسل بھی دیتا ہے کفن دفن کا انتظام بھی کرتا ہے اور کچھ پیسے صدقہ خیرات بھی کرتا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ اِسکی بخشش ہو جائے۔ لیکن بہر حال اُس کو زندہ نہیں دیکھنا چاہتا۔

آج مسلمان نے بھی اللہ تعالیٰ کو ناراض کیا ہوا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ سے گرا ہوا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ جگہ جگہ اس پر پریشانیاں اور مصیبتیں ہیں۔

ہم جو آپ کے پاس حاضر ہوئے ہیں تو اپنے لیے اور آپ کے لیے یہ فکر پیدا کرنی ہے کہ کامیابی و

فائدہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے مال و دولت میں نہیں رکھا۔ بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے تعلق میں اور حضور والے اعمال میں رکھا ہے۔ برکتیں اعمال صالحہ میں ہیں اور خسارہ وتباہی معصیت میں ہے۔اور اللہ تعالیٰ کے تعلق کو حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔اب اگر کسی بیماری کی تشخیص ہو جائے تو آدمی کہتا ہے کہ اس کا علاج کہاں ہوتا ہے کہ میں وہاں پہنچوں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر دور میں انسانوں کی اصلاح کا بندوبست کیا ہے۔آج کے دور میں بھی ایسی جگہیں ہیں اور ترتیبیں ہیں کہ آدمی کو وہاں سے اصلاح ملتی ہے۔تبلیغی جماعتوں کے ساتھ چلے جائیں کام کریں تو آدمی کی زندگی بدل جاتی ہے، کوئی اللہ تعالیٰ کے تعلق والے بندے ہوں تصوف کے صحیح سلاسل والے بندے ہوں اُن سے آدمی بیعت کرلے تو اللہ تبارک وتعالیٰ زندگی بدل دیتے ہیں۔

ہمارے ضلع مانسہرہ میں ایک جہادی تنظیم کو ایک ڈاکٹر جو میرا شاگرد بھی ہے چلا رہا ہے۔ پچھلے دنوں ایبٹ آباد میں ملاقات ہوئی تو اُس نے حال دریافت کرنے پر کہا کہ اِس وقت فلاں تنظیم میں چلا رہا ہوں اور یہ نوجواں لوگ جو جہاد کیلیے آتے ہیں آپ سمجھ نہیں سکتے کہ کس طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ یہ تو کوئی فرشتے ہیں کہ ایک تو آتے ہی تھوڑے دنوں میں زندگی بدل جاتی ہے اور سنت کے مطابق زندگی اختیار کرلیتے ہیں۔اور دوسرے باطل کو توڑنے کا اِن کا ایسا جذبہ ہوتا ہے کہ ہمارے پاس ایک میجر جنرل کا بیٹا آ گیا، تو وہ ہیلی کاپٹر میں آیا اور کہا کہ تم میرے بیٹے کو پکڑ کر جہاد میں لے آئے ہو۔تو میں نے کہا کہ ہم تو نہیں لائے ہیں وہ تو خود آیا ہے اُس نے کہا کہ میں اپکے مرکز کا معائنہ کرنا چاہتا ہوں، ہم نے کہا کہ مرکز کے معائنے کی اجازت کسی کو نہیں البتہ آپکے بیٹے سے آپکی ملاقات کرادیتے ہیں۔اگر وہ آپ کے ساتھ جانا چاہے تو ہم اُس کو نہ روکے گے اور نہ جانا چاہے تو پھر ہم بے بس ہیں۔تو جب باپ نے لے جانے کی بات کی تو بیٹے نے کہا کہ ابا جان اگر آپ مجھے لے گئے تو میں خودکشی کرلوں گا اور وہ نہیں گیا۔افغانستان میں جن دنوں آگ برستی تھی اور میزائل چلتے تھے ہم ۳۵ دن وہاں رہے۔اللہ کے ایسے بندے تھے کہ برستی آگ میں بھی جمے اور اللہ کی بات کو کہا۔

ہمارا رمضان کے دِنوں میں پشاور میں ۱۰ دن کا اعتکاف ہوتا ہے۔ایک شخص آیا کہ ہمارا ایک ماموں کسی سیاسی پارٹی میں رہا ہے اور شرابی ہے۔ میں اُس کو اعتکاف میں لانے کو کہا اللہ کی شان ۱۰ دن کے بعد مکمل تبدیل ہو کر اُٹھا۔اُس نے کہا کہ اب جا کر میں سیاسی جماعت والوں سے بات کرونگا کہ آپ نے تو میری

زندگی تباہ کردی ہے۔

عرض یہ ہے کہ آپ اپنے بننے کی فکر کریں اور جب بننے کے بعد آپ جائیں گے تو دور دراز کے ممالک والے آپ سے محبت کرینگے۔ انگلینڈ کی عورتیں جب نماز پڑھتیں اور پردہ کرتیں تو لوگ اُن کا مذاق اُڑاتے تھے۔اب وہی انگریز پردہ کی ہوئی عورتوں کو کہتے ہیں کہ "she is a holy lady" کہ یہ ایک مقدس اور متبرک خاتون ہے۔ جرمنی کے کارخانوں کو چھ لاکھ ترک چلارہے ہیں۔ جب اُنھوں نے چار چار مہینے لگائے تو اب انھوں نے نماز پڑھنی ہوتی ہے۔لیکن کارخانے والوں کے ایسے اوقات ہیں کہ انھوں نے نماز پڑھنے سے منع کردیا۔ بڑی دعائیں مانگیں، اجازت مانگی لیکن کچھ نہ ہوا۔ آخر اُنھوں نے سوچا کہ اگر مزدوری نہ کریں تو کھائیں کہاں سے اور اگر مزدوری کریں تو یہ ہمیں نماز نہیں پڑھنے دیتے اور وہ کام جس میں نماز نہ پڑھنے دی جائے اس کا کرنا تو مسلمان کو حلال ہی نہیں ہے۔ آخر کافی غور وخوض کے بعد یہ حل نکالا کہ ان سے جاکر بات کریں کہ آپ ہمیں ۸ گھنٹے کا کام دے دیا کریں اور وقت مقررہ پر ہم سے پورا کام لیا کریں، اور اس دوران ہم جو کچھ کریں نماز پڑھیں مگر کام آپ کو پورا ملے گا۔ وہ لوگ سمجھدار تھے انھوں نے اجازت دے دی۔ خیر اب وہ لوگ نماز پڑھ کر آئے تو انھوں نے ڈیڑھ بجے تک سارا کام ختم کر کے دے دیا اور کام کا معیار بھی اعلیٰ تھا جبکہ دوسروں نے ۲ بجے دیا۔ عموماً اگر مزدور ۶ میں سے ۴ گھنٹے کام کرے تو چار گھنٹے کے بعد آدمی سُست پڑ جاتا ہے اور ہارمونز (harmones) کم ہونے لگتے ہیں۔ مگر ان لوگوں کا کام بڑے اعلیٰ معیار کا تھا اور تھا بھی پورا۔ تو انھوں نے تحقیق کرائی، جس سے پتہ چلا کہ یہ لوگ ہاتھ منہ دھوتے ہیں سر کا اور گردن کا مسح کرتے ہیں اور واشنگ (یعنی وضو) کرتے جس سے فریش ہو جاتے ہیں اور پھر کچھ ورزش کرتے ہیں (یعنی نماز پڑھتے ہیں) جس سے انکی کارکردگی بڑھ جاتی ہے بلکہ اور زیادہ اچھی ہو جاتی ہے۔ اور اُس سے اِن کے اندر سکون پیدا ہوتا ہے۔ تو اِس بات پر اُن کو بڑی حیرت ہوئی۔ تو دین کا کام انسان کرنا چاہے ہر جگہ گنجائش ہے اور جس جگہ جاؤ گے وہاں ہاتھوں ہاتھ لیے جاؤ گے۔

(باقی آئندہ)

ماخوذ از مکتوبات صدی

غلط گاہِ عوام کے بیان میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادر شمس الدّین تمھیں معلوم ہو کہ بعض عوام الناس محض شہوتوں اور خیالاتِ فاسد کی بدولت دینداری اور دین سے ایسے محروم ہیں کہ گمراہ ہو رہے ہیں۔ایک گروہ کا یہ خیال ہے کہ خدائے عزوجل طاعتِ خلق سے بے نیاز ہے اس کو ہمارے عمل کی حاجت نہیں، طاعت و معصیت اسکی بے نیازی کی بارگاہ میں سب کی سب مساوی و برابر ہے۔ پھر خواہ مخواہ ہی کیوں ہم اپنے کو ایک مصیبت میں ڈالیں اور نماز و روزہ وغیرہ کی تکلیف برداشت کیا کریں؟

جواب:۔اس شبہ سے سراسر جہالت کی بو آتی ہے۔غالبًا اس گروہ نے دل میں یہ جانا ہے کہ شریعت جس کام کا حکم دیتی ہے اس سے اللہ تعالیٰ کا فائدہ ہے۔نعوذ باللہ یہ بالکل محال و باطل ہے۔ بلکہ دین کا جتنا کام آدمی کرتا ہے سب میں بہ نفسِ نفیس اسی کا فائدہ ہے کہ ''وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ''. '' وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ'' (جس نے صفائی اور پاکیزگی حاصل کی اس نے اپنے کو پاکیزہ بنایا۔اور جس نے نیک کام کیے تو اپنے لیے کیے) اس بدبخت جاہل کی مثال ہو بہو ویسی ہی ہے کہ ایک بیمار کو طبیب پرہیز کا حکم دے، بیمار پرہیز نہ کرے اور یوں کہے کہ ہماری بد پرہیزی سے طبیب کا کیا بگڑتا ہے۔ پھر خوب اطمینان سے ہر طرح کی چیز کھانا شروع کر دے۔اس میں شک نہیں کہ طبیب کا نقصان کچھ نہ ہوگا مگر بیمار صاحب جلد سے جلد قبر کا کونا بسائیں گے۔طبیب کو کوئی ذاتی غرض تو تھی نہیں کہ اپنی رضامندی کسی سبب سے چاہتا، وہ تو صرف اس کی شفا و صحت کا خواہاں تھا۔اگر مریض طبیب کے حکم پر چلتا تو اچھا ہو جاتا۔ چونکہ کہنا نہ مانا، موت سر پر کھیل گئی۔ دیکھو طبیب کا کچھ نہ بگڑا، مریض کی جان مفت گئی۔

دوسرے گروہ کا یہ خیالِ فاسد ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑا کریم و رحیم ہے، ہزار ہم گناہ کریں ہم کو ضرور بخش دیگا۔کون شریعت کی زنجیر میں اپنے کو اس طرح جکڑے؟

جواب:۔ بیشک وہ بڑا کریم و رحیم ہے۔مگر صرف کریم و رحیم ہی سمجھنا شیطان کا دھوکا ہے، جیسا وہ کریم و رحیم ہے ویسا وہ شدید العقاب بھی ہے، اور حکیم و قدیر بھی ہے۔تم بیّن بیّن دیکھ رہے ہو کہ ہزاروں آدمی

تکلیف میں ہیں، ہزاروں آدمی غریب محتاج ہیں۔ حالانکہ خزانۂ الٰہی میں کوئی کمی نہیں ہے۔ ہر طرح کا سامانِ عافیت وہ کرسکتا ہے، مگر ایسا نہیں ہوتا۔

دیکھو کسان جب تک دانہ نہیں چھیٹتا، ایک گیہوں اس کو ہاتھ نہیں آتا۔ اور کوئی آدمی زندہ وتندرست نہیں رہ سکتا جب تک غذا نہ کرے پانی نہ پیے۔ اور بیمار اچھا نہیں ہوتا جب تک علاج نہ کرے۔ جس طرح ان چیزوں کے لیے اسباب مقرر ہیں۔ دین کی سعادت کے لیے بھی اسباب ہیں۔ ذرا خیال کرنے کی بات ہے کہ مسلمان ہوکر آدمی نشہ خواری کرے، چوری کا مرتکب ہو، زنا میں مبتلا ہو، سود کھایا کرے، نماز سے بھاگا بھاگا پھرے، روزے سے جان چرائے، زکوٰۃ سے منھ موڑے، اور طرح طرح کے بُرے بُرے کام کیا کرے، باوجود اسکے امید رکھے کہ اللہ تعالیٰ کریم ورحیم ہے ہمارے گناہ معاف کردیگا اور گناہوں کا بدلہ نہ لے گا۔ یہ کہنا اس کا کہاں تک صحیح ہوسکتا ہے۔ ایسے شخص کو تین قسم کا مرض لاحق ہوتا ہے۔ کفر، جہل، کاہلی۔ کفر و جہل یہ دونوں تو روح کے لیے سراسر زہر ہیں۔ انکا تریاق اگر ہے تو علم و معرفت ہے۔ اور کاہلی ایک ایسی بیماری ہے کہ اگر اس کا علاج نہ ہوا تو انسان ہلاک ہوکر رہ جائے گا۔ اس کا علاج نماز پڑھنا اور ہر قسم کی طاعت بجالانا ہے۔ اب بتاؤ جو شخص زہر کھائے گا اور تریاق استعمال نہ کرے گا کیسے بچ سکتا ہے۔ یا امراضِ گرم میں لالچ سے شہد وغیرہ کھالے گا تو زندہ نہ رہے گا۔

زیادہ تر دل کی بیماری کا تعلق خواہشاتِ نفسانی سے ہے۔ خواہ اس کو شکم سے تعلق ہو خواہ اس کو صلب سے لگاؤ ہو۔ شکم کو لقمۂ حرام کی فکر ہوتی ہے، صلب کو بوالہوسی اور تماش بینی سوجھتی ہے، اس صورت میں دو حالتوں کے لیے دو حکم ہیں۔

۱۔ جو شخص نفسانی خواہشات پر چلا، مگر گناہ کو اس نے گناہ سمجھا، ایسا شخص ہلاکت کے قریب ہے اس کے لیے خوفِ ہلاکت ہے۔

۲۔ جس نے گناہ کیا اور گناہ کو گناہ نہ سمجھا، اسکے لیے خوفِ ہلاکت نہیں ہے بلکہ وہ ہلاک ہوچکا ہے۔ کیونکہ گناہ کو گناہ نہ سمجھنا کفر ہے اور کفر جان کے لیے سمِ قاتل ہے۔

تیسرے گروہ کی یہ حالت ہے کہ ریاضتِ بدنی میں مشغول ہوتے ہیں۔ اور یہ خیال دل میں پیچیدہ

رکھتے ہیں کہ غصہ اور بھوک اور مردانگی و دیگر صفاتِ ذمیمہ سب کے سب ریاضت سے نیست و نابود ہو سکتے ہیں اور شریعت کا منشا بھی یہی ہے۔ یہ سوچ کر کچھ دنوں تک تو محنت شاقہ اور ریاضت کی چلتی ہے۔ تھوڑے عرصہ کے بعد حضرت سلامت جو غور کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں، نہ غصہ غائب ہوا نہ شہوتیں ناپید ہوئیں، سخت گھبرائے، کہنے لگے کہ ایسی ریاضت کا حاصل کیا ہوا؟ اگر شریعت ورزی سے اتنا بھی فائدہ نہ ہوا تو کیا ہوا؟ بس ہمارا سلام لیجیے۔

دگر به سعی کسانش سفید نتواں کرد

گلیمِ بختِ سیه را که بافتند سیاه

ترجمہ: کیونکہ سیاہ کمبل نہ اجلا ہوا ہے اور نہ ہوگا۔ آدمی بھی جس صفت پر پیدا ہوا ہے اسکا بدلنا ناممکن ہے۔ پھر ہم کیوں اپنے کو اس پریشانی میں ڈالیں۔

جواب:۔ شریعت نے کہاں اور کب یہ حکم دیا ہے کہ شہوت وصفاتِ بشریت کو بالکل نکال ڈالو۔ بلکہ حضرت رسول ﷺ نے تو یوں فرمایا ہے کہ میں بشر ہوں مجھ کو بھی غصہ آتا ہے۔ چنانچہ غصہ کا اثر چہرۂ انور پر ظاہر ہوتا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے غصہ پینے والوں کی قرآن شریف میں تعریف کی ہے۔ وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ (جو لوگ غصہ پی جاتے ہیں، اور قصور معاف کر دیتے ہیں)۔ جس کو بالکل غصہ نہ ہوگا اُس کو اِس آیتِ شریف سے کیا برکت ہوگی۔ علیٰ ہٰذا القیاس قوتِ مردانگی اگر بری چیز ہوتی تو پیغمبروں کو نہ ملتی۔ خود ہمارے حضرت رسالت پناہ ﷺ کے نو محل تھے۔ قوتِ مردانگی تو ایسی نعمت ہے کہ اگر زائل ہو جائے تو اس کا علاج کر کے لوٹانا چاہیے تا کہ بیوی بچوں پر حمیت و ہمدردی پیدا ہو، کثرتِ توالد و تناسل اور نیک نامی کی بقا اسی طاقت کے باعث ہوتی ہے۔ غصہ کی خوبی اس کے موقع پر دیکھو، خصوصاً جنگ میں جس وقت کفار کا مقابلہ ہو۔ غصہ و مردانگی یہ دونوں صفتیں ایسی ہیں کہ پیغمبروں نے انکو عزیز رکھا ہے۔ لیکن جس طرح خود ان پر غالب رہے ہیں امت کو بھی حکم دیا ہے کہ ان صفتوں کو مغلوب رکھیں۔ غصہ ہو، مگر شریعت کے دائرہ سے باہر نہ ہو قوتِ مردانگی رکھے، لیکن شریعت کی حد سے تجاوز نہ کرے۔ دیکھو ایک خاص طریقہ کے شکار میں گھوڑے اور کتے کی ضرورت پڑتی ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ گھوڑا کتا دونوں تعلیم یافتہ ہوں، ورنہ گھوڑے کی ایک پشتک میں شکاری صاحب

پشت پر زمین رسید ہوں گے اور کتا مالک کو کاٹ کھائے گا، شکار ہوا ہو جائے گا۔ غصہ اور شہوت کی مثال گھوڑے کتے کی سی ہے کہ آخرت کی سعادت شکار ہوگی۔ یہ دونوں صفتیں انسان میں رہنی چاہئیں۔ البتہ انکا مغلوب ہونا ضروری ہے نابود ہونا تو بالکل برا ہے۔ انکے غالب ہونے میں بے شک خوفِ ہلاکت ہے۔ ورنہ سراسر فوائد ہیں۔ ریاضت کا مقصد یہ گروہ جو یہ سمجھا کہ صفاتِ نفسانی ناپید کردیے جائیں یہ بالکل غلطی ہے۔ بلکہ ریاضت سے غرض ان صفتوں کا مغلوب ہونا ہے۔ مغلوب ہونا بہت ممکن ہے ایسا برابر ہوا، اور ہو رہا ہے۔

چوتھے گروہ پر یہ حماقت سوار ہوتی ہے کہ سب کام تقدیر پر موقوف ہیں۔ جو سعید ہوتا ہے، وہ ماں کے پیٹ سے، جو شقی ہوتا ہے، وہ ماں کے پیٹ سے، ازل ہی میں سب کچھ ہو چکا، اس میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا، عمل کی حاجت نہیں، جو ہونا ہے خود سے ہو رہے گا۔

جواب:۔ آنحضرت ﷺ نے جس وقت یہ فرمایا کہ سعادت و شقاوت ازلی ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ ''کیا ہم لوگ اس پر ایمان لاکر عمل سے منہ موڑ لیں''۔ ارشاد ہوا (نہیں) **اعملو و کل میسر لما خلق له** ۔ (ترجمہ: عمل میں کوتاہ دستی نہ کرو۔ اگر تمھارے نصیب میں سعادت ہے نیک کام کرنے کی تم کو توفیق پیدا ہوگی۔) بات یہ ہے برادر کہ سعادت کا ظہور طاعت سے ہوتا ہے اور شقاوت کا ظہور معصیت سے۔ مثلاً جس کے نصیب میں بھوکا مرنا ہے، اس کو روٹی یا دوسری غذا نہ ملے گی، یہ دروازہ اس پر بند رہے گا، اسی طرح جس کی قسمت میں توانگری ہے اس پر کاشتکاری اور تجارت کا راز کھول دیا جاتا ہے اور وہ اس کام میں لگ جاتا ہے۔ جس کی تقدیر میں یہ لکھا ہے کہ فلاں سرزمین مغرب میں اس کی موت آئے گی مشرق کی راہ اس پر بند ہو جاتی ہے ادھر کا وہ قصد ہی نہیں کرتا۔

حکایت: ایک دفعہ ملک الموت حضرت سلیمان ابنِ داود پیغمبر علیہ السلام کی خدمت میں بیٹھے تھے۔ یکا یک حاضرین میں سے ایک کی طرف ذرا تیز نظر سے انھوں نے دیکھا، دیکھتے ہی وہ آدمی ڈر گیا۔ بعدہٗ ملک الموت رخصت ہو کر چلے گئے۔ آخر اس شخص کے دل میں ایسا ڈر سمایا کہ بصد آرزو و منت حضرت سلیمان علیہ السلام سے اس نے درخواست کی کہ یا حضرت (ہوا کو) حکم دیا جائے کہ فوراً مجھے زمینِ مغرب میں پہنچا دے۔ جب وہ جا چکا، اور اسکی روح وہ قبض کر چکے تو پھر آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ حضرت سلیمان علیہ

السلام نے پوچھا کہ اس وقت اس شخص کو تم نے اس تیزی سے کیوں دیکھا تھا۔ ملک الموت نے کہا: مجھے حکمِ خداوندی تھا کہ دوسرے گھنٹہ میں فلاں سرزمینِ مغرب میں اسکی روح قبض کی جائے۔ مگر میں حیران تھا کہ اس حکم کی تعمیل ہوتو کیونکر ہو۔ آخر مجبور ہو کر کڑی نظر سے اسکو میں نے دیکھا چونکہ اسکی تقدیر میں وہاں مرنا تھا۔ اسلیے اسکے دل میں خوف پیدا ہوا اور اس درخواست کرنے پر وہ مجبور ہوا کہ مجھے سرزمینِ مغرب میں پہنچوا دیجیے۔ پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کا اس کی بات مان لینا، اتنے اسباب جمع ہوئے ہیں تو وہ حکمِ ازلی پورا ہو کر رہا ہے۔ علاوہ ازیں جس کے نصیب میں سعادت ہوتی ہے اسکے دل میں نورِ ایمان ہوتا ہے۔ وہ عبادت اور ریاضت کرتا ہے۔ صفاتِ ذمیمہ کو مغلوب رکھتا ہے۔ قرآن شریف میں آیا ہے۔ **فَمَنْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ.** (الانعام. ۱۲۵) (اللہ جس شخص کی ہدایت کا ارادہ کرتا ہے اسکا سینہ اسلام قبول کرنے کے لیے کھول دیتا ہے)۔

مجبوری اب ہم کو یہ کہنا پڑتا ہے کہ جس گروہ کے نصیب میں دوزخ میں جانا ہے اسکے دل میں یہ بات ڈال دی جاتی ہے کہ سعادت وشقاوت ازلی ہے، عمل کی کچھ حاجت نہیں۔ عمل ایک فضول کام ہے یہ سوچ کروہ گروہ عمل سے باز رہتا ہے، سچ ہے جس کی تقدیر میں جہالت ہوتی ہے لکھنے پڑھنے سے کیسا بھاگتا ہے۔ ٹال مٹول کرتا ہے اگر نصیب میں اس کے علم ہوتا ہے تو خود اسکا ہونہار پن، خود اسکی معنوی سرداری اسکے دل میں ڈال دیتی ہے کہ بغیر طلب ومحنت علم حاصل نہیں ہوتا۔ اسی طرح کاشتکاری گندم وغیرہ کا حال ہے۔ جب تک زمین جوتی نہیں جاتی، بیج چھینٹا نہیں جاتا، آب پاشی نہیں کی جاتی، کسان غلہ نہیں کاٹتا۔ جس کاشتکار کے نصیب میں غلہ کاٹنا نہیں ہے وہ اپنی بدبختی سے نہ زمیں سینچتا ہے نہ تخم ریزی کرتا ہے۔ پس سمجھ لو کہ ایمان وطاعت سعادت کی نشانی ہے اور کفر ومعصیت شقاوت کی علامت ہے۔ ممکن ہے کہ اس قسم کے احمق لوگ یہ بھی کہتے ہوں کہ ایمان وطاعت محدث کو سعادتِ ازلی، اور کفر ومعصیت محدث کو شقاوتِ ازلی سے کیا مناسبت ہے!

اسکے یہ معنی ہوئے کہ گروہ مذکور اپنی رکیک عقل سے اسکی اصلی وجہ دریافت کرنا چاہتا ہے۔ حالانکہ عقل مختصر اسکی کہاں اس بات کی متحمل ہے کہ اسرار کو جان سکے اور اندازہ کر سکے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شبہ یا حجت نے خرابی پیدا کی ہے بلکہ حماقت غالب ہو کر اپنا کام کر رہی ہے۔ حضرت عیسیٰ پیغمبر علیہ السلام نے واقعی بہت صحیح فرمایا کہ

مادرزادنابینا کے علاج سے یا مردہ کے زندہ کرنے سے کبھی عاجز نہ آئے۔مگر کسی احمق نے اگر انکار کیا تو اسکا علاج ہم سے نہ ہوسکا۔

اے بھائی، انسان کا معاملہ نہایت نازک ہے۔ابھی جبرئیلؑ ومیکائیلؑ کے درجہ میں ہے۔ابھی سگ وخوک کے رتبے میں ہے۔یعنی اگر علم وحکمت کی روش پر اس کا عمل ہے تو وہ فرشتہ ہے۔دیکھو، حضرت یوسف علیہ السلام کو مَاهٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌO (یہ آدمی نہیں بلکہ کوئی فرشتہ ہے۔)

گر قدمت شدبه یقین استوار

گرد زدریا ، نم ازآتش برآر

(ترجمہ:اگر یقین پر تیرے قدم جم گئے،تو دریا سے دھواں اورآگ سے تری لے آئیگا)

اور اگر متابعت ہوائے نفسانی ہے اور شیطانی کھوٹوں کی تاک جھانک ہے تو، ملعون ہے۔دیکھو بلعم باعور کی حالت۔(فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ) وہ کتے کی مانند ہے، اگراس پر بوجھ ڈالا جائے جب بھی اور اگر چھوڑ دیا جائے جب بھی ہانپتا ہے۔

اے شده خوشنود بیك بارگی

چون خروگاوے به علف خوارگی

(ترجمہ:تو یک بیک خوش ہوگیا جس طرح گدھے اور گائے کو چارہ ملنے سے خوشی ہوتی ہے۔)

حضرت داودعلیہ السلام پر وحی نازل ہوئی یاداود کن کالطیر الحذر ولاتامن ولاتستقر.
(اے داود اس چڑیا کی طرح ہوجا جو اپنے دھن کو چھوٹ کر الگ ہوجاتی ہے)۔بڑا ہی نادان وہ مرغ ہے جو قفسِ تنگ میں رہنا پسند کرے اور ہرے بھرے باغ کا قصد نہ کرے، جس انسان میں بلند پروازی نہیں ہے اور وہ اس تنگنائے دہر میں آسودہ ہورہا ہے تو وہ گویا ایک معمولی پردار جانور ہے، جو قفس میں بند کردیا گیا ہے اور دانہ پانی دیکھ کر خوش ہورہا ہے۔ارواحِ انسانی کا تو حال یہ ہے کہ رات دن ہر سانس کے دریچہ سے سر نکالتی ہے اور چاہتی ہے کہ اڑ چلیں۔

آنکه درین پر ده نوائیش هست

خوشتر ازین رسرائیش هست

اوجِ بلند ست، درومی پرم

باش که ازهمت خود بگذرم

(ترجمہ: اس پردے میں جسکو خوش الحانی دی گئی ہے اس حجرے سے کہیں بہتر اسکے لیے ایک گھر بنا ہوا ہے۔ ایک بہت اونچے مقام پر میں اڑتا ہوں، تو ٹھہر جا، تاکہ میں اپنی ہمت سے آگے بڑھ جاؤں) والسلام۔

(از: مکتوبات صدی۔ احمد یحییٰ منیریؒ)

☆☆☆☆☆

سحر و جادو سے حفاظت کی دعا:

حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ چند کلمات کو اگر میں نہ کہتا رہتا تو یہود (سحر و جادو سے) مجھے گدھا بنا دیتے۔ کسی نے پوچھا کہ وہ کلمات کیا ہیں، انھوں نے یہ بتائے۔

اَعُوۡذُ بِوَجۡهِ الۡعَظِيۡمِ الَّذِیۡ لَيۡسَ شَیۡءٌ اَعۡظَمَ مِنۡهُ وَ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ الَّتِیۡ لَا يُجَاوِزُ هُنَّ بَرٌّ وَّلَا فَاجِرٌ وَ بِاَسۡمَآءِ اللّٰهِ الۡحُسۡنٰى مَاعَلِمۡتُ مِنۡهَا وَمَا لَمۡ اَعۡلَمُ مِنۡ شَرِّ مَا خَلَقَ وَذَرَاَ وَّ بَرَاَ۔

ماخوذ از احیاء العلوم

محاسبہ نفس

''اے نفس ذرا انصاف کر! اگر ایک یہودی تجھ سے کہہ دیتا ہے کہ فلاں لذیذ ترین کھانا تیرے لیے مضر ہے تو تو صبر کرتا ہے اور اسے چھوڑ دیتا ہے، اور اس کی خاطر تکلیف اٹھاتا ہے۔ کیا انبیاء کا قول جن کو معجزات کی تائید حاصل ہوتی ہے اور فرمان الٰہی اور صحف سماوی کا مضمون تیرے لیے اس سے بھی کم اثر رکھتا ہے جتنا کہ اس یہودی کا عقل کی کمی اور علم کی کمی اور کوتاہی کے ساتھ ایک قیاس و اندازہ۔ تعجب ہے اگر ایک بچہ کہتا ہے کہ تیرے کپڑوں میں بچھو ہے تو بغیر دلیل طلب کیے اور سوچ سمجھے اپنے کپڑے اتار پھینکتا ہے۔ کیا انبیاء، علماء، اولیاء اور حکماء کی متفقہ بات تیرے نزدیک اس بچہ کی بات سے بھی کم وقعت رکھتی ہے؟ یا جہنم کی آگ، اس کی بیڑیاں، اس کے گرز، اس کا عذاب، اس کا زقوم، اور اس کے آنکڑے، اس کے سانپ، اس کے بچھو اور زہریلی چیزیں تیرے لیے ایک بچھو سے بھی کم تکلیف دہ ہیں، جس کی تکلیف زیادہ سے زیادہ ایک دن یا اس سے کم رہتی ہے۔ یہ عقلمندوں کا شیوہ نہیں، اگر کہیں بہائم (جانوروں) کو تیری حالت کا علم ہو جائے تو وہ تجھ پر ہنسیں اور تیری دانائی کا مذاق اڑائیں۔ پس اے نفس! تجھ کو یہ سب چیزیں معلوم ہیں، اور ان پر تیرا ایمان ہے، تو کیا بات ہے کہ تو عمل میں تساہل اور ٹال مٹول سے کام لیتا ہے، حالانکہ موت کمین گاہ میں منتظر ہے کہ وہ بغیر مہلت کے تجھے اچک لے جائے۔ اور فرض کر کہ تجھے سو برس کی مہلت بھی مل گئی ہے تو کیا تیرا خیال ہے کہ جس کو ایک گھاٹی طے کرنی ہے، اور وہ اس گھاٹی کے نشیب و فراز میں اطمینان سے اپنے جانور کو کھلا رہا ہے وہ کبھی بھی اس گھاٹی کو طے کر سکے گا۔ اگر تو یہ گمان رکھتا ہے تو تو کس قدر نادان ہے۔ ایسے شخص کے بارہ میں تیری کیا رائے ہے جو علم حاصل کرنے کی غرض سے پردیس کا سفر کرتا ہے، اور وہاں کئی سال بیکاری اور تعطل میں گزار دیتا ہے اس خیال سے کہ وطن واپسی کے سال سب علم حاصل کرے گا۔ تو اس کی عقل پر ہنستا ہے اور اس کے اس وہم کا مذاق اڑاتا ہے کہ علم و تفقہ اتنی قلیل مدت میں حاصل ہو جائے گا، یا قضا کا منصب بغیر علم و تفقہ کے توکل کی برکت سے ہاتھ آجائے گا۔ پھر اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ آخر عمر کی کوشش مفید ہوتی ہے اور بلند درجات تک لے جاتی ہے تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہی آج کا دن تیری عمر کا آخری دن ہو، تو اس دن تو اس کام میں کیوں مشغول نہیں ہوتا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے تجھے بتلا بھی دیا ہے کہ تجھے مہلت دے دی گئی ہے تو پھر بھی عجلت (جلدی) کرنے سے کیا چیز مانع

ہے،اور آج کل آج کل کرنے کی کیا وجہ ہے؟ یہی وجہ ہوسکتی ہے کہ تجھے اپنی خواہشات نفس کی مخالفت مشکل معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس میں محنت ومشقت ہے۔کیا تو اس دن کا منتظر ہے جب خواہشات کی مخالفت تیرے لیے آسان ہو جائے گی ، ایسا دن تو اللہ تعالیٰ نے مطلق پیدا ہی نہیں کیا اور نہ پیدا کرے گا۔ جنت ہمیشہ ناگواریوں اور مکارہ سے گھری رہے گی اور مکارہ کبھی نفس کے لیے آسان نہیں ہو سکتے ،ایسا ہونا محال ہے۔کتنی بار ایسا ہوتا ہے کہ تو کہتا ہے کہ کل سے یہ کام کریں گے، تجھے نہیں معلوم کہ جو کل آچکی ہے وہ گزشتہ دن کے حکم میں ہے۔جو کام تو آج انجام نہیں دے سکا اس کا کل انجام دینا تیرے لیے اور بھی مشکل ہے،اس لیے کہ شہوت کی مثال ایک تناور درخت کی سی ہے جس کو آدمی اکھاڑنا اپنا فرض سمجھتا ہے،اگر کوئی اس کو اکھاڑنے سے عاجز ہو گیا ہے اور اس نے اس کو کل پر رکھا تو اس کی مثال اس نوجوان کی سی ہے جس سے ایک درخت اکھاڑا نہیں گیا اور اس نے اس کام کو دوسرے سال کے لیے ملتوی کر دیا۔وہ جانتا ہے کہ جتنا زمانہ گزرے گا درخت مستحکم اور اس کی جڑیں مضبوط اور وسیع ہو جائیں گی،اور اکھاڑنے والے کی کمزوری اور ضعف میں اضافہ ہوگا۔ظاہر ہے کہ جس کو شباب میں نہیں اکھاڑ سکا اس کو بڑھاپے میں کیا اکھاڑے گا۔بڑھاپے کی ورزش اور محنت بہت تکلیف دہ ہوتی ہے،بھڑیئے کی تربیت اور اصلاح ایک عذاب ہے۔سرسبز شاخ لچک رکھتی ہے اور جھکائی جا سکتی ہے،جب سوکھ جائے گی اور ایک زمانہ گزر جائے گا تو اس کا موڑنا ناممکن ہو جائے گا۔پس اگر اے نفس تو ان حقائق پر ایمان نہیں رکھتا اور سہل انگاری سے کام لیتا ہے تو تجھے کیا ہو گیا ہے کہ حکمت و دانش کا دعویدار ہے! اس سے بڑھ کر اور حماقت کیا ہو سکتی ہے؟ غالباً تو یہ کہے کہ شہوت پرستی اور آلام و مصائب پر بے صبری استقامت سے روکنے والی چیز ہے۔اگر یہی بات ہے تو تیری غباوت کتنی بڑھی ہوئی ہے اور تیرا عذر کتنا لنگ ہے،اگر تو اپنے قول میں سچا ہے تو ایسی لذت کیوں نہیں تلاش کرتا جو تمام کدورتوں اور آلائشوں سے پاک ہو اور ابدالآباد تک کے لیے ہو،اور یہ نعمت جنت ہی میں حاصل ہوسکتی ہے۔اگر تو خواہشات کا حریص ہے اور تجھے لذت ہی عزیز ہے تو ان کی خاطر بھی تجھے نفس کی وقتی خاہشات کی مخالفت کرنی چاہئے،اس لیے کہ بسا اوقات ایک لقمہ کئی لقموں سے محروم کر دیتا ہے۔تیرا کیا خیال ہے اس مریض کے بارے میں جس کو طبیب نے صرف تین روز کے لیے ٹھنڈے پانی سے پرہیز بتایا ہو،تاکہ وہ صحت حاصل کر سکے، پھر زندگی بھر ٹھنڈے پانی کا لطف

اٹھائے۔اس نے اس کو خبر دار کر دیا ہو کہ ٹھنڈا پانی اس حالت میں اس کے لیے سخت مضر ہے، اگر اس نے بد پرہیزی کی تو زندگی بھر ٹھنڈے پانی سے اس کو ہاتھ دھو لینا پڑیں گے۔اس وقت سچ سچ بتا عقل کا تقاضا کیا ہے؟ کیا اس کو تین دن صبر کر لینا چاہئے، تاکہ زندگی آرام سے گزرے، یا اپنی خواہش پوری کر لینی چاہئے، اور پھر تین سو دن یا تین ہزار دن اس نعمت سے محروم رہے؟ تین دن کی بھی پوری عمر کے مقابلہ میں وہ حقیقت نہیں جو تیری پوری عمر کو ابدالآباد کی زندگی کے مقابلہ میں ہے (جو اہل جنت اور اہل جہنم کی مدت ہے)۔کیا تو کہہ سکتا ہے کہ خواہشات نفسانی کے ضبط کرنے کی تکلیف طبقات جہنم میں عذاب نار سے زیادہ سخت اور طویل ہے؟ جو شخص ایک معمولی تکلیف بھی برداشت نہیں کرسکتا، وہ عذاب الٰہی کیسے برداشت کرسکتا ہے!

میں دیکھتا ہوں کہ تو دو وجہ سے اپنے نفس کو ڈھیل دیتا ہے، ایک کفر خفی اور ایک صریح حماقت۔کفر خفی یہ ہے کہ یوم حساب پر تیرا ایمان کمزور ہے، اور ثواب وعقاب سے تو ناواقف ہے۔ اور صریح حماقت اللہ تعالیٰ کی تدبیر مخفی اور اس کے استدراج کا خیال کیے بغیر اس کے عفو کرم پر اعتماد ہے۔اس کے باوجود کہ تو روٹی کے ایک ٹکڑے، غلہ کے ایک دانہ اور زبان سے نکلے ہوئے ایک کلمہ کے لیے خدا تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا، بلکہ اس کے حصول کے لیے ہزار جتن اختیار کرتا ہے اور اسی جہالت کی وجہ سے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا مصداق ہے

"**اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَ عَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْعَاجِزُ مَنْ أَتْبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا وَ تَمَنَّى عَلَى اللّٰهِ**" (سنن ترمذی، مسند احمد، سنن ابن ماجہ)

ترجمہ: ہوشیار وہ ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ کرے اور موت کے بعد کی زندگی کے لیے عمل کرے اور احمق وہ ہے جو نفس کو اپنی خواہشات کے پیچھے لگا دے، اور اللہ تعالیٰ پر آرزوئیں باندھتا رہے

افسوس اے نفس! تجھ کو زندگی کے دام ہمرنگ زمین سے ہوشیار رہنا چاہئے تھا اور شیطان سے فریب نہیں کھانا چاہئے تھا، تجھے اپنے اوپر ترس کھانا چاہئے، تجھے اپنی ہی فکر کا حکم دیا گیا ہے، دیکھ تو اپنے اوقات ضائع نہ کر، تیرے پاس گنی چنی سانسیں ہیں اگر تیری ایک بھی سانس رائیگاں گئی تو گویا

تیرے سرمایہ کا ایک حصہ ضائع ہو گیا۔ پس غنیمت سمجھ صحت کو مرض سے پہلے، زندگی کو موت سے پہلے اور آخرت کے لیے تیاری کر، اسی لحاظ سے جتنا تجھے وہاں رہنا ہے۔ اے نفس کیا جب موسم سرما سر پر آجاتا ہے تو اس پوری مدت کے لیے تو تیاری نہیں کرتا، خوراک کا ذخیرہ، لباس کی ضروری مقدار، اور ایندھن کا ایک ڈھیر جمع نہیں کر لیتا۔ تو جاڑے کا تمام ضروری سامان مہیا کر لیتا ہے اور اس بھروسہ پر نہیں رہتا کہ لبادہ جڑا اول (سردی کا لباس) اور ایندھن کے بغیر جاڑا گزار دے گا اور تجھ میں اس کی طاقت ہے۔ کیا تیرا گمان ہے کہ جہنم کیز مہریر جاڑوں کی سخت سردی سے کم ہے! ہرگز نہیں اور اس کا کوئی امکان نہیں، شدت و برودت میں اندونوں میں کوئی تناسب نہیں۔ کیا تو سمجھتا ہے کہ تو بغیر سعی کے اس سے نجات حاصل کر لے گا؟ جیسے سردی بغیر اونی کپڑے ،لبادہ، آگ اور اسی طرح کی دوسری چیزوں کے بغیر نہیں جاتی، اسی طرح دوزخ کی گرمی اور سردی توحید کے قلعہ اور طاعت کی خندق کے بغیر نہیں جاسکتی۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ کرم ہے کہ اس نے تجھ کو حفاظت کی تدابیر سے آگاہ کر دیا ہے اور اسباب آسان کر دیے ہیں، اس کا کرم یہ نہیں کہ وہ سرے سے عذاب ہی کو ٹال دے۔ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کا قانون یہی ہے وہ جاڑا پیدا کرتا ہے تو اس کے لیے آگ بھی پیدا کرتا ہے، اور تجھے چقماق کے طریقہ پر پتھروں سے آگ نکالنے کا طریقہ بھی بتاتا ہے کہ تو ان طریقوں سے فائدہ اٹھائے اور اپنے کو ٹھنڈک سے محفوظ رکھے۔ اور جیسے کہ لکڑی خریدنا اور اونی کپڑے حاصل کرنا اللہ تعالیٰ کی ضرورت نہیں انسانوں کی ضرورت ہے، اسی طرح طاعت وعبادت سے بھی اللہ تعالیٰ مستغنی ہے یہ تمہارا فریضہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے نجات حاصل کرو "مَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ إِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ" (العنکبوت ۶) (ترجمہ: جس نے اچھائی کی تو اپنے نفس کے لیے کی اور جس نے برائی کی اس کا بوجھ بھی اسی پر ہے، اور اللہ تعالیٰ جہان والوں سے بے پرواہ ہے) تیری خرابی ہوائے نفس! جہالت کی قبا چاک کر اور اپنی آخرت کو اپنی دنیا پر قیاس کر "مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ إِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ" (لقمان ۲۸) (ترجمہ: تمہارا پیدا کرنا اور تمہارا برپا کرنا ایک جان کی طرح ہے) "كَمَا بَدَأْنَآ أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ" (الانبیاء۔۱۰۴) (ترجمہ: جیسے ہم نے پیدا کیا تھا پھر اسے دہراتے ہیں) "كَمَا بَدَأَكُمْ تَعُوْدُوْنَ" (اعراف ۲۹) (جیسے اس نے تم کو ابتداءً پیدا کیا تھا، ویسے ہی پھر تم واپس ہو جاؤ گے)۔ (احیاء العلوم دین۔ ج۴)

ماخوذ از معارف القرآن

آئین جواں مرداں حق گوئی و بیباکی

مسند دارمی میں سند کے ساتھ مذکور ہے کہ ایک مرتبہ سلیمان بن عبدالملک مدینہ طیبہ پہنچے اور چند روز قیام کیا تو لوگوں سے دریافت کیا کہ مدینہ طیبہ میں اب کوئی ایسا آدمی موجود ہے جس نے کسی صحابی کی صحبت پائی ہو؟ لوگوں نے بتلایا، ہاں! ابوحازم ایسے شخص ہیں، سلیمان نے اپنا آدمی بھیج کر ان کو بلوالیا، جب وہ تشریف لائے تو سلیمان نے کہا کہ اے ابوحازم یہ کیا بے مروتی اور بے وفائی ہے؟ ابوحازم نے کہا، آپ نے میری کیا بے مروتی اور بے وفائی دیکھی ہے؟ سلیمان نے کہا کہ مدینہ کے سب مشہور لوگ مجھ سے ملنے آئے، آپ نہیں آئے۔ ابوحازم نے کہا، امیر المؤمنین میں آپ کو اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں اس سے کہ آپ کوئی ایسی بات کہیں جو واقعہ کے خلاف ہے، آج سے پہلے نہ آپ مجھ سے واقف تھے اور نہ میں نے کبھی آپ کو دیکھا تھا، ایسے حالات میں خود ملاقات کے لیے آنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، بے وفائی کیسی؟

سلیمان نے جواب سن کر ابن شہاب زہری اور حاضرین مجلس کی طرف التفات کیا، تو امام زہریؒ نے فرمایا کہ ابوحازم نے صحیح فرمایا، آپ نے غلطی کی۔

اس کے بعد سلیمان نے روئے سخن بدل کر کچھ سولات شروع کیے اور کہا اے ابوحازم! یہ کیا بات ہے کہ ہم موت سے گھبراتے ہیں؟ آپ نے فرمایا وجہ یہ ہے کہ آپ نے اپنی آخرت کو ویران اور دنیا کو آباد کیا ہے، اس لیے آبادی سے ویرانہ میں جانا پسند نہیں۔

سلیمان نے تسلیم کیا، اور پوچھا کہ کل اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری کیسے ہوگی؟ فرمایا کہ نیک عمل کرنے والا تو اللہ تعالیٰ کے سامنے اس طرح جائے گا جیسا کوئی مسافر سفر سے واپس اپنے گھر والوں کے پاس جاتا ہے، اور برے عمل کرنے والا اس طرح پیش ہوگا، جیسا کوئی بھاگا ہوا غلام پکڑ کر آقا کے پاس حاضر کیا جائے۔

سلیمان یہ سن کر رو پڑے اور کہنے لگے کاش ہمیں معلوم ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے کیا صورت تجویز کر رکھی ہے، ابوحازم نے فرمایا کہ اپنے اعمال کو اللہ کی کتاب پر پیش کرو تو پتہ لگ جائے گا،

سلیمان نے دریافت کیا کہ قرآن کی کس آیت سے یہ پتہ لگے گا؟ فرمایا اس آیت سے: اِنَّ الْاَبْرَارَ

لَفِیْ نَعِیْمٍ O وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ O یعنی ”بلاشبہ نیک عمل کرنے والے جنت کی نعمتوں میں ہیں، اور نافرمان، گناہ شعار دوزخ میں“۔

سلیمان نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت تو بڑی ہے، وہ بدکاروں پر بھی حاوی ہے، فرمایا ”اِنَّ رَحْمَةَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ“ یعنی ”اللہ تعالیٰ کی رحمت نیک عمل کرنے والوں سے قریب ہے“۔

سلیمان نے پوچھا اے ابوحازم اللہ کے بندوں میں سب سے زیادہ کون عزت والا ہے؟ فرمایا وہ لوگ جو مروّت اور عقل سلیم رکھنے والے ہیں۔

پھر پوچھا کہ کونسا عمل افضل ہے؟ تو فرمایا کہ فرائض و واجبات کی ادائیگی، حرام چیزوں سے بچنے کے ساتھ۔

پھر دریافت کیا کہ کونسی دعا زیادہ قابل قبول ہے؟ تو فرمایا کہ جس شخص پر احسان کیا گیا ہو اس کی دعا اپنے محسن کے لیے اقرب الی القبول ہے۔

پھر دریافت کیا کہ صدقہ کونسا افضل ہے؟ تو فرمایا کہ مصیبت زدہ سائل کے لیے باوجود اپنے افلاس کے جو کچھ ہو سکے اس طرح خرچ کرنا کہ نہ اس سے پہلے احسان جتائے اور ٹال مٹول کر کے ایذاء پہنچائے۔

پھر دریافت کیا کہ کلام کونسا افضل ہے؟ تو فرمایا کہ جس شخص سے تم کو خوف ہو یا جس سے تمہاری کوئی حاجت ہو اور امید وابستہ ہو اس کے سامنے بغیر کسی رو رعایت کے حق بات کہہ دینا۔

پھر دریافت کیا کہ کونسا مسلمان سب سے زیادہ ہوشیار ہے؟ فرمایا وہ شخص جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے تحت کام کیا ہو، اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دی ہو۔

پھر پوچھا کہ مسلمانوں میں کون شخص احمق ہے؟ فرمایا وہ آدمی جو اپنے بھائی کی اس کے ظلم میں امداد کرے، جس کا حاصل یہ ہوگا کہ اس نے دوسرے کی دنیا درست کرنے کے لیے اپنا دین بیچ دیا، سلیمان نے کہا کہ صحیح فرمایا۔

اس کے بعد سلیمان نے اور واضح الفاظ میں دریافت کیا کہ ہمارے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ ابوحازمؒ نے فرمایا کہ مجھے اس سوال سے معاف رکھیں تو بہتر ہے۔ سلیمان نے کہا کہ نہیں، آپ ضرور کوئی

نصیحت کا کلمہ کہیں۔

ابو حازم نے فرمایا: اے امیر المؤمنین تمہارے آباء واجداد نے بزور شمشیر لوگوں پر تسلط کیا، اور زبردستی ان کی مرضی کے خلاف ان پر حکومت قائم کی اور بہت سے لوگوں کو قتل کیا اور یہ سب کچھ کرنے کے بعد وہ اس دنیا سے رخصت ہو گئے، کاش! آپ کو معلوم ہوتا کہ اب وہ مرنے کے بعد کیا کہتے ہیں اور ان کو کیا کہا جاتا ہے۔

حاشیہ نشینوں میں سے ایک شخص نے بادشاہ کے مزاج کے خلاف ابو حازمؒ کی اس صاف گوئی کو سن کر کہا کہ ابو حازم تم نے یہ بہت بری بات کہی ہے، ابو حازم نے فرمایا کہ تم غلط کہتے ہو، بری بات نہیں کہی بلکہ وہ بات کہی جس کا ہم کو حکم ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے علماء سے اس کا عہد لیا ہے کہ حق بات لوگوں کو بتلائیں گے چھپائیں گے نہیں، **لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ** (بیان کرو گے لوگوں سے اور نہ چھپاؤ گے۔)

یہی وہ بات ہے جس کے لیے یہ طویل حکایت امام قرطبیؒ نے آیت مذکورہ کی تفسیر میں درج فرمائی ہے۔

سلیمان نے پھر سوال کیا کہ اچھا اب ہمارے درست ہونے کا کیا طریقہ ہے؟ فرمایا کہ تکبر چھوڑو، مروت اختیار کرو، اور حقوق ولوں کو ان کے حقوق انصاف کے ساتھ تقسیم کرو۔

سلیمان نے کہا کہ ابو حازم کیا ہو سکتا ہے کہ آپ ہمارے ساتھ رہیں، فرمایا: خدا کی پناہ۔ سلیمان نے پوچھا یہ کیوں؟ فرمایا کہ اس لیے کہ مجھے خطرہ یہ ہے کہ میں تمہارے مال و دولت اور عزت و جاہ کی طرف کچھ مائل ہو جاؤں جس کے نتیجے میں مجھے عذاب بھگتنا پڑے۔

پھر سلیمان نے کہا کہ اچھا آپ کی کوئی حاجت ہو تو بتلایئے کہ ہم اس کو پورا کریں؟ فرمایا: ہاں ایک حاجت ہے کہ جہنم سے نجات دلا دو اور جنت میں داخل کر دو۔ سلیمان نے کہا کہ یہ تو میرے اختیار میں نہیں۔ فرمایا کہ پھر مجھے آپ سے اور کوئی حاجت مطلوب نہیں۔

آخر میں سلیمان نے کہا کہ اچھا میرے لیے دعا کیجئے، تو ابو حازم نے یہ دعا کی یا اللہ اگر سلیمان آپ کا پسندیدہ ہے تو اس کے لیے دنیا اور آخرت کی بہتری کو آسان بنا دے، اور اگر وہ آپ کا دشمن ہے تو اس کے

بال پکڑ کر اپنی مرضی اور محبوب کاموں کی طرف لے آ۔

سلیمان نے کہا کہ مجھے کچھ وصیت فرمادیں، ارشاد فرمایا کہ مختصر یہ ہے کہ اپنے رب کی عظمت وجلال اس درجہ میں رکھو کہ وہ تمھیں اس مقام پر نہ دیکھے جس سے منع کیا ہے، اور اس مقام سے غیر حاضر نہ پائے جس کی طرف آنے کا اس نے حکم دیا ہے۔

سلیمان نے اس مجلس سے فارغ ہونے کے بعد سو گنیاں بطور ہدیہ کے ابوحازم کے پاس بھیجیں، ابوحازم نے ایک خط کے ساتھ ان کو واپس کر دیا، خط میں لکھا تھا کہ اگر یہ سو دینار میرے کلمات کا معاوضہ ہیں تو میرے نزدیک خون اور خنزیر کا گوشت اس سے بہتر ہے، اور اگر اس لیے بھیجا ہے کہ بیت المال میں میرا حق ہے تو مجھ جیسے ہزاروں علماء اور دین کی خدمت کرنے والے ہیں، اگر سب کو آپ نے اتنا ہی دیا ہے تو میں بھی لے سکتا ہوں، ورنہ مجھے اس کی ضرورت نہیں۔

ابوحازم کے اس ارشاد سے کہ اپنے کلمات نصیحت کا معاوضہ لینے کو خون اور خنزیر کی طرح قرار دیا ہے اس مسئلہ پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ کسی طاعت وعبادت کا معاوضہ لینا ان کے نزدیک جائز نہیں۔

☆☆☆☆☆

حضرت امام مالکؒ سماع حدیث کے لیے بے ریش لڑکوں کو اپنی مجلس میں بیٹھنے سے منع کرتے تھے، ہشام بن عمار حیلہ کر کے لوگوں کے مجمع میں چھپ کر بیٹھ گئے، اس وقت وہ بے ریش تھے اور امام مالکؒ سے سولہ حدیثیں سن لیں۔ امام مالک کو جب اس کی خبر دی گئی تو انھوں نے اس کو بلایا اور سولہ درے مارے۔ حضرت ہشام فرماتے ہیں کاش میں (ان سے) سو حدیثیں سنتا اور وہ مجھے سو درے مارتے۔

(از عشق مجازی کی تباہ کاریاں)

لیکچرر الطاف حسین

حکایت از گلستان سعدی

جناب حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب کے اصلاحی بیانات و مجالس میں اکثر فارسی زبان کا تذکرہ آتا رہتا ہے۔حضرت کے مطابق فارسی زبان کے اندر دانش مشرق (wisdom of easet) کا خزانہ اسلام کے فارسی لٹریچر میں موجود ہے۔ان بیانات سے ساتھیوں کو اس خزانے کی تلاش کی ترغیب ملتی رہتی ہے۔اگر دانشور طبقہ سعدیؒ و رومیؒ کا مطالعہ کر لے تو انھیں اپنی مجالس و گفتگوؤں میں شیکسپیئر اور دیگر مغربی دانشوروں کی باتیں بطور حوالہ پیش (quote) کرنے کی بجائے کہیں گہری اور زیادہ مفید باتیں ہاتھ آئیں گی۔اسی سلسلے میں حضرت نے جناب لیکچرر الطاف حسین کے ساتھ گلستان سعدی کا درس شروع کر رکھا ہے،اسی درس سے منتخب کردہ ایک دلچسپ حکایت برائے قارئین ماہنامہ غزالی پیش کی جارہی ہے۔

ایک مرتبہ دمشق کے دوستوں کی مصاحبت سے مجھ کو رنجش پیش آگئی،اس لیے میں بیت المقدس کے جنگل کی طرف نکل گیا اور اور جانوروں سے انس (محبت) پیدا کر لیا۔یہاں تک کہ ایک وقت عیسائیوں نے مجھ کو پکڑ کر قیدی بنالیا اور یہودیوں کے ساتھ طرابلس کی خندق کھودنے میں مٹی کے کام پر لگا دیا۔حلب کا ایک رئیس کہ اس سے ہماری پہلی جان پہچان تھی ادھر سے گزرا اور مجھ کو پہچان کر کہا کہ یہ کیا حالت ہے کہ میرے لیے تکلیف کا سبب ہے۔میں نے کہا کہ کیا عرض کروں

ہمیگرفتم از مرد ماں بکوہ و بدشت کہ از خدا نبودم بدیگرے پرداخت

میں آدمیوں سے پہاڑوں اور جنگلوں میں بھاگتا پھرتا تھا تا کہ خدا تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے میں مشغول نہ ہوں۔

خود ہی اندازہ کر لے کہ اس لمحے میرے دل پر کیا گزرتی ہوگی کہ حیوانات کی جماعت سے موافقت کرنا پڑی۔

پائے در زنجیر پیش دوستاں بہ کہ با بیگانگاں در بوستاں

پائے در زنجیر پیش دوستاں بہ کہ با بیگانگاں در بوستاں

دوستوں کے ساتھ اگر پاؤں مین زنجیر پڑی ہو یہ اس سے بہتر ہے کہ غیروں کیے ساتھ چمن کی سیر حاصل ہو۔

رئیس کو میری حالت پر رحم آیا اور فرنگیوں کی قید سے دس دینار میں خریدا اور واپس حلب لے گیا۔اس کی ایک بیٹی تھی جس کے ساتھ ایک سو دینار کے عوض میرا نکاح کر دیا۔جب کچھ عرصہ گزر گیا تو بیوی نے کج خلقی اور لڑائی جھگڑا شروع کر دیا اور زبان درازی کر کے میری زندگی تلخ کرنے لگی،

زن بد درسرائے مردنکو ہمدریں عالم ست دوزخ او

بری عورت اگر نیک مرد کے گھر میں ہے تو اس کے لیے اسی عالم دنیا میں دوزخ ہے۔

ایک مرتبہ وہ نالائق بیوی ملامت کی زبان دراز کر کے کہنے لگی کہ تو وہی تو ہے کہ جس کو میرے باپ نے دس دینار میں عیسائیوں کی قید سے خریدا (چھڑایا) تھا۔میں نے کہا کہ ہاں میں وہی ہوں جس کو تیرے باپ نے دس دینار میں فرنگیوں کی قید سے چھڑایا اور سو دینار میں تیرے ہاتھ گرفتار کرا دیا۔(یعنی ایک مصیبت سے نکال کر دوسری مصیبت میں پھنسا دیا۔)

شنیدم گوسپندے رابزرگے رہانیداز دہان ودست گرگے

شبانگہ کارد بر حلقش بمالید روان گوسفندازوے بنالید

کہ از چنگال گرگم درربودی چودیدم عاقبت خودگرگ بودی

ترجمہ: میں نے سنا کہ ایک بزرگ نے ایک بکری کو بھیڑیئے کے منہ اور پنجے سے چھڑایا اور اپنے گھر لے آیا،اور رات کو اس کے گلے پر چھری پھیرنے لگا تو بکری کی روح نے اس سے فریاد کی کہ میں تو تیری شکر گزار تھی کہ تو نے بھڑیئے سے مجھ کو بچالیا مگر جب غور کیا تو تو خود ہی دوسرا بھیڑیا نکلا۔

☆☆☆☆☆

اطلاع برائے تبدیلی تاریخ ماہوار اجتماع مدینہ مسجد پشاور یونیورسٹی:

پرانی تاریخ 20,21 ستمبر تبدیل کر کے 27, 28 ستمبر کر دی گئی ہے۔

حضرت ابو القاسم جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ اپنی نگاہ کو اللہ تعالیٰ کی محبت میں مصروف کر دو اور جس آنکھ کے ذریعے تم نے اللہ عزوجل کا دیدار کرنا ہے اس کو غیر اللہ سے بند کر دو ورنہ اللہ کی نظروں سے گر جاؤ گے